بِسۡمِ اللّٰہِ

# انٹر نیشنل

## اپریل ۲۰۲۱ء
## شعبان / رمضان ۱۴۴۱ھ

### عالمگیر مرکز احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا ترجمان۔

**ہمارے عقاید**

حضرت محمد مصطفیٰ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم) کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پُرانا
قرآن کی کسی آیت کی نہ تلاوت منسوخ ہے اور نہ حکم
حضرت مرزا غلام احمدؒ وہ مجدد تھے، جن کی پیشگوئی نبی کریمؐ نے مسیح و مہدی کے القاب سے کی۔


## مدیران

شاہد عزیز
مسز سمیرا احمد
ارشد علوی


## فہرست مضامین


۱: کلام امام ہمدردی خلق اور برتر ہستی کی تلاش (اسلامی اصول کی فلاسفی قسط۔۱۷) ۲
۲: خطبہ مولانا محمد علیؒ۔ عشرہ مبارکہ اور قبولیت شب
۳: کلامِ گورونانک پوڑی نمبر ۷ اگر خُدا کی نظر کرم نہ ہو ۶
۴: نام کی اہمیت - ۲ حضرت مولانا عبدالحق ودیارتھی ۶


## حضرت مسیح موعود نے فرمایا

مردم شماری کے فارم میں لکھو ’مسلمان فرقہ احمدیہ‘۔

- ’مجھے چھوڑ کر تم کون سا اسلام پیش کرو گے۔‘‘

غیر از جماعت امام اگر کلمہ گو کو کافر کہنے والے کے کافر ہونے کا اعلان کرے تو اُس کے پیچھے نماز ادا کرو۔

- احمدی کے لئے لازمی ہے کہ ہر ماہ چندہ دے۔

جو شخص تین ماہ تک چندہ نہیں دیتا وہ جماعت سے خارج ہے۔

ہر احمدی کے لئے اپنی وصیت میں جماعت کے لئے ایک حصہ چھوڑنا لازمی ہے۔

## نشریات

وقت بمطابق برطانوی ٹائم

Radio Virtual Mosque on http://mixlr.com/radio-virtual-mosque

Youtube: shorturl.at/foF02

### پروگرام واوقات

| | | | |
|---|---|---|---|
| اتوار | - اردو ۱۴:۰۰ | انگریزی | ۱۴:۳۰ |
| جمعہ | -انگریزی | | ۱۳:۰۰ |
| عیدین | -انگریزی | | ۱۱:۰۰ |

**پیر سے جمعرات**

**ریڈیو نشریات**

۱۹۰۰-تدبر القرآن اردو

۱۹۳۰- Reflections on the Holy Quranانگریزی


احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

ای میل:Imam@LACommunity.uk

**وقت تھا، وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت**
**میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا۔**

# کلام امام

## از حضرت مرزا غلام احمدؒ

اسلامی اصول کی فلاسفی (قسط۔۱۷)

مُرتّب:۔ ارشد علوی

حضرت مسیح موعودؑ اسلامی اصول کی فلاسفی میں فرماتے ہیں۔

### ہمدردی خُلق

اور منجملہ انسان کے طبعی اُمور کے جو اس کی طبیعت کے لازم حال ہیں۔ ہمدردی خُلق کا ایک جوش ہے۔ قومی حمایت کا جوش بالطبع ہر ایک مذہب کے لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ اور اکثر لوگ طبعی جوش سے اپنی قوم کی ہمدردی کے لئے دُوسروں پر ظلم کر دیتے ہیں۔ گویا انہیں انسان نہیں سمجھتے۔ سو اس حالت کو خُلق نہیں کہہ سکتے۔ یہ فقط ایک طبعی جوش ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ حالت طبعی کوّوں وغیرہ پرندوں میں بھی پائی جاتی ہے کہ ایک کوّے کے مرنے پر ہزار ہا کوّے جمع ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ عادت انسانی اخلاق میں اُس وقت داخل ہو گی جب کہ یہ ہمدردی انصاف اور عدل کی رعایت سے محل اور موقع پر ہو۔ اُس وقت یہ ایک عظیم الشان خُلق ہو گا جس کا نام عربی میں مواسات اور فارسی میں ہمدردی ہے۔ اسی کی طرف اللہ جلّ شانہٗ قرآن شریف میں اشارہ فرماتا ہے۔ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ (المائدۃ:۲)۔ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ (النساء:۱۰۴)۔ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا[105] (النساء:۱۰۵)۔ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِـيْمًا ۱۰۷ (النساء:۱۰۷)

یعنی اپنی قوم کی ہمدردی اور اعانت فقط نیکی کے کاموں میں کرنی چاہئے۔ اور ظلم اور زیادتی کے کاموں میں ان کی اعانت ہرگز نہیں کرنی چاہئے۔ اور قوم کی ہمدردی میں سرگرم رہو۔ تھکو مت اور خیانت

## حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ
## اور
## عالمگیر جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد

۱. اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان

۲. آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ بالفاظ بانی سلسلہ احمدیہ:۔ ”اِس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی ﷺ کے بعد کوئی نہیں آئے گا نیا ہو یا پُرانا“، ”جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اُسے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔“ ”میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو گئی۔“

۳. قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب ہے جس کا کوئی حکم منسوخ نہیں، نہ قیامت تک منسُوخ ہو گا۔

۴. بُطابق فرمانِ نبوی حضرت محمدؐ کے بعد مجدّدین آئیں گے۔ اِس اُمّت میں ایسے لوگ ہوں گے جو نبی نہ ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ اُن سے کلام کرے گا۔ رجال یکلمون من غیر ان یکونوانبیاء

۵. ہم تمام صحابہ کرامؓ اور تمام آئمہ دین کی عزت کرتے ہیں خواہ وہ اہل سنت کے مسلمہ بزرگ ہوں یا اہل تشیع کے اور کسی صحابی یا امام، محدث یا مجدّد کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

۶. ہر ایک شخص جو لَآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا اقرار کرتا ہے اصولاً مسلمان ہے، خواہ اُس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو۔

۷. حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا دعویٰ مجدّد، مسیح موعود اور مہدی ہونے کا تھا۔ نبی ہونے کا ہرگز نہیں۔ اُن کے اپنے الفاظ میں: ”اور اِن لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔“

ہمیں کسی دُنیاوی پارلیمنٹ سے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ہم مسلمان ہوں یہ کافی ہے۔

کرنے والوں کی طرف سے مت جھگڑو جو خیانت کرنے سے باز نہیں آتے۔ خدا تعالیٰ خیانت پیشہ لوگوں کو دوست نہیں رکھتا۔

## بَرتر ہستی کی تلاش

مجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے جو اس کی فطرت کو لازم پڑی ہوئی ہیں ایک اس برتر ہستی کی تلاش ہے جس کے لئے اندر ہی اندر انسان کے دل میں ایک کشش موجود ہے۔ اور اس تلاش کا اثر اسی وقت سے محسوس ہونے لگتا ہے جبکہ بچہ ماں کے رحم سے باہر آتا ہے کیونکہ بچہ پیدا ہوتے ہی پہلے رُوحانی خاصیت اپنی جو دکھاتا ہے وہ یہی ہے کہ ماں کی طرف جھکا جاتا ہے اور طبعاً اپنی ماں کی محبت رکھتا ہے۔ اور پھر جیسے جیسے حواس اس کے کھلتے جاتے ہیں اور شگوفہ فطرت اس کا کھلتا جاتا ہے یہ کشش محبت جو اس کے اندر چھپی ہوئی تھی اپنا رنگ و رُوپ نمایاں طور پر دکھاتی چلی جاتی ہے۔ پھر تو یہ ہوتا کہ بجز اپنی ماں کی گود کے کسی جگہ آرام نہیں پاتا۔ اور پورا آرام اس کا اسی کے کنارِ عاطفت میں ہوتا ہے اور اگر ماں سے علیحدہ کر دیا جائے اور دُور ڈال دیا جائے تو تمام عیش اس کا تلخ ہو جاتا ہے اور اگرچہ اس کے آگے نعمتوں کا ایک ڈھیر ڈال دیا جاوے تب بھی وہ اپنی سچی خوشحالی ماں کی گود میں ہی دیکھتا ہے اور اس کے بغیر کسی طرح آرام نہیں پاتا۔ سو وہ کشش محبت جو اس کی اپنی ماں کی طرف پیدا ہوتی ہے۔ وہ کیا چیز ہے؟

درحقیقت یہ وہی کشش ہے جو معبودِ حقیقی کے لئے بچہ کی فطرت میں رکھی گئی ہے بلکہ ہر ایک جگہ جو انسان تعلق محبت پیدا کرتا ہے درحقیقت وہی کشش کام کر رہی ہے اور ہر ایک جگہ جو یہ عاشقانہ جوش دکھلاتا ہے درحقیقت اسی محبت کا وہ ایک عکس ہے گویا دوسری چیزوں کو اٹھا اٹھا کر ایک گم شدہ چیز کی تلاش کر رہا ہے جس کا اَب نام بھول گیا ہے۔ سو انسان کا مال یا اولاد یا بیوی سے محبت کرنا یا کسی خوش آواز کے گیت کی طرف اس کی رُوح کا کھینچے جانا درحقیقت اُسی گمشدہ محبوب کی تلاش ہے اور چونکہ انسان اس دقیق در دقیق ہستی کو جو آگ کی طرح ہر ایک میں مخفی اور سب پر پوشیدہ ہے اپنی جسمانی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا اور نہ اپنی ناتمام عقل سے اس کو پا سکتا ہے۔ اس لئے اس کی معرفت کے بارے میں انسان کو بڑی بڑی غلطیاں لگی ہیں۔ اور سہو کاریوں سے اس کا حق دُوسرے کو دیا گیا ہے۔

## ایک لطیف مثال سے شرک کا رَدّ

خُدا نے قرآن شریف میں یہ خوب مثال دی ہے کہ دنیا ایک ایسے شیش محل کی طرح ہے جس کی زمین کا فرش نہایت مصفّٰی شیشوں سے تیار کیا گیا ہے۔ اور پھر ان شیشوں کے نیچے پانی چھوڑا گیا ہے جو نہایت تیزی سے چل رہا ہے۔ اب ہر ایک نظر جو شیشوں پر پڑتی ہے وہ اپنی غلطی سے ان شیشوں کو بھی پانی سمجھ لیتی ہے۔ اور پھر انسان ان شیشوں پر چلنے سے ایسا ڈرتا ہے جیسا کہ پانی سے ڈرنا چاہئے۔ حالانکہ وہ درحقیقت شیشے ہیں مگر صاف شفّاف۔ سو یہ بڑے بڑے اجرام جو نظر آتے ہیں جیسے آفتاب وماہتاب وغیرہ۔ یہ وہی صاف شیشے ہیں جن کی غلطی سے پرستش کی گئی اور ان کے نیچے ایک اعلیٰ طاقت کام کر رہی ہے جو ان شیشوں کے پردہ میں پانی کی طرح بڑی تیزی سے چل رہی ہے اور مخلوق پرستوں کی نظر کی یہ غلطی ہے کہ انہی شیشوں کی طرف اس کام کو منسوب کر رہی ہیں جو ان کے نیچے کی طاقت دکھلا رہی ہے۔ یہی تفسیر اس آیت کریمہ کی ہے۔ اِنَّہٗ صَرۡحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنۡ قَوَارِیۡرَ ؕ۔ (النمل:۴۴) غرض چونکہ خُدا تعالیٰ کی ذات باوجود نہایت روشن ہونے کے پھر بھی نہایت مخفی ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی شناخت کیلئے صرف یہ نظام جسمانی جو ہماری نظروں کے سامنے ہے کافی نہ تھا اور یہی وجہ ہے کہ ایسے نظام پر مدار رکھنے والے باوجود یکہ اس ترتیب ابلغ اور محکم کو جو صدہا عجائبات پر مشتمل ہے نہایت غور کی نظر سے دیکھتے رہے بلکہ ہیئت طبعی اور فلسفہ میں وہ مہارتیں پیدا کیں کہ گویا زمین و آسمان کے اندر دھنس گئے مگر پھر بھی شکوک وشبہات کی تاریکی سے نجات نہ پا سکے۔ اور اکثر ان میں طرح طرح کی خطاؤں میں مبتلا ہو گئے۔ اور بیہودہ اوہام میں پڑ کر کہیں کے کہیں چلے گئے اور اگر ان کو اس صانع کے وجود کی طرف کچھ خیال بھی آیا تو بس اسی قدر کہ اس اعلیٰ اور عمدہ نظام کو دیکھ کر یہ ان کے دل میں پڑا کہ اس عظیم الشان سلسلہ کا جو پُر حکمت نظام اپنے ساتھ رکھتا ہے کوئی پیدا کرنے والا ضرور چاہئے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ خیال ناتمام اور یہ معرفت ناقص ہے۔ کیونکہ یہ کہنا کہ اس سلسلہ کے لئے ایک خدا کی ضرورت ہے اس دوسرے کلام سے ہرگز مساوی نہیں کہ وہ خُدا درحقیقت ہے بھی۔ غرض یہ ان کی صرف قیاسی معرفت تھی جو دل کو اطمینان اور سکینت نہیں بخش سکتی۔ اور نہ شکوک کو بکُلّی دِل پر سے اُٹھا سکتی ہے اور نہ یہ ایسا پیالہ ہے جس سے وہ پیاس معرفت تامہ کی بجھ سکے جو انسان کی فطرت کو لگائی گئی۔ بلکہ ایسی معرفت ناقصہ نہایت پُر خطر ہوتی ہے۔ کیونکہ بہت شور ڈالنے کے بعد پھر آخر ہیچ اور نتیجہ ندارد ہے۔

غرض جب تک خود خُدائے تعالیٰ اپنے موجود ہونے کو اپنے کلام سے ظاہر نہ کرے جیسا کہ اس نے اپنے کام سے ظاہر کیا تب تک صرف کام کا ملاحظہ تسلی بخش نہیں ہے۔ مثلاً اگر ہم ایک ایسی بند کوٹھڑی کو دیکھیں جس میں یہ بات عجیب ہو کہ اندر سے کنڈیاں لگائی گئی ہیں تو اس

فعل سے ہم ضرور اوّل یہ خیال کریں گے کہ کوئی انسان اندر ہے جس نے اندر سے زنجیر کو لگایا ہے کیونکہ باہر سے اندر کی زنجیروں کو لگانا غیر ممکن ہے۔ لیکن جب ایک مدت تک بلکہ برسوں تک باوجود بار بار آواز دینے کے اس انسان کی طرف سے کوئی آواز نہ آوے تو آخر یہ رائے ہماری کہ کوئی اندر ہے بدل جائے گی۔ اور یہ خیال کریں گے کہ اندر کوئی نہیں بلکہ کسی حکمت عملی سے اندر کی کنڈیاں لگائی گئی ہیں۔ یہی حال ان فلاسفروں کا ہے جنہوں نے صرف فعل کے مشاہدہ پر اپنی معرفت کو ختم کر دیا ہے۔ یہ بڑی غلطی ہے جو خُدا کو ایک مُردہ کی طرح سمجھا جائے جس کو قبر سے نکالنا صرف انسان کا کام ہے۔ اگر خُدا ایسا ہے جو صرف انسانی کوشش نے اس کا پتہ لگایا ہے تو ایسے خُدا کی نسبت ہماری سب امیدیں عبث ہیں۔ (فہرست مضامین)

خطبہ۔ ۱۷ رمضان ۱۳۴۸ھ ۱۹ فروری ۱۹۳۰ء

# عشرہ مبارکہ اور قبولیّت کی شب

## (ایک خصوصی مضمون)

حضرت مولانا محمد علیؒ

مسلمانوں کے مجاہدے کا مہینہ۔ رمضان مبارک۔ اب ختم ہونے کو ہے۔ اور اس کے آخری عشرہ میں ہم داخل ہونے والے ہیں۔ ہمارے ہادیؐ نے اس ماہ کو دعا اور انفاق مال کے لئے خاص کیا ہے۔ کیونکہ یہ دو ایسی چیزیں ہیں، جو ہر حالت میں انسان کے مجاہدہ میں معاون ہوتی ہیں۔ اور پھر رمضان میں سے اس کا آخری عشرہ اور بھی زیادہ خصوصیّت رکھتا ہے۔ جس میں رسول اللہ مسجد میں اعتکاف فرماتے تھے۔ جس میں تہجد کے لئے اپنی بیویوںؓ کو خصوصیّت سے جگایا کرتے تھے۔ جس میں قبولیّت کی وہ رات ہے، جسے خدا کے کلام میں لیلۃ القدر اور لیلۃ المبارکہ کہا گیا ہے۔ پس جو کام رسولؐ نے کیا، وہ ہمیں بھی کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جہاں آپ کی گردن جھکی، وہاں ہماری گردن اکڑنی نہ چاہیئے۔

**ضرورت دُعا:** سو اوّل میں دُعا کے لئے ہی اپنے احباب سے التجا کرتا ہوں۔ اپنے لئے دُعا تو ہر ایک کرتا ہی ہے۔ جب تکلیف ہوتی ہے، جب مشکلات میں مبتلاء ہوتا ہے، تو خدا کے دروازے پر گرتا ہے۔ اور بسا اوقات اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے کہ جو مشکل کسی طرح حل نہ ہوتی تھی، وہ آستانہ الٰہی پر سر رکھنے سے حل ہو گئی! اپنے عزیزوں اور دوستوں کے لئے بھی انسان کے دل میں تحریک پیدا ہوتی ہی رہتی ہے۔ میں ایک ایسے امر کے لئے دعا کی درخواست کرتا ہوں، جس کے لئے میں جانتا ہوں کہ ہمارے تمام احمدی احباب کے دلوں میں درد تو ہے، لیکن بسا اوقات غفلت کے نیچے وہ درد دبا رہتا ہے۔ آج ہماری قوم ایک ایسے سخت ابتلاء کے نیچے ہے۔ کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر بھروسا نہیں، وہ اس کی زندگی سے اور اس کے دوبارہ دنیا میں اُبھرنے سے مایوس ہو رہے ہیں۔ مگر وہ شخص، جس کا ایمان محمد رسول ﷺ کی صداقت پر ہے، وہ جانتا ہے کہ ان ابتلائوں کے آنے کی خبریں مخبر صادقؐ نے دی تھیں۔ اور ان کے دور ہونے کی خبر بھی آپؐ نے دی ہے۔ اور جو کچھ محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، وہ ہو کر رہے گا۔ اور یہ ایمان ہر احمدی کا بھی ہے۔ بلکہ یہ ایمان ہی وہ اصل چیز ہے، جو مجدد وقت نے اپنے دامن سے وابستہ لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا۔ پس وہ تمام مخالف سامانوں کو دیکھ کر بھی وہی کہیں گے، جو نازک ترین وقتوں میں اصحاب رسول اللہ نے کہا۔ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا۔ (۳۳:۲۲) "اور جب مومنوں نے جماعتوں کو دیکھا انہوں نے کہا یہ وہ ہے جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے دیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے سچ کہا تھا اور اس نے انہیں صرف ایمان اور فرمانبرداری میں بڑھایا۔"

اسی طرح گو آج دنیا میں مسلمانوں کو کچل دینے والے اسباب جمع ہو گئے ہیں، لیکن جو لوگ محمد رسول اللہ کی صداقت کے بے شمار نمونے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہوں، ان کا ایمان ان فتنوں اور ابتلائوں کو دیکھ کر اور بھی زیادہ ہو گا! اور میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ ہر ایک احمدی کا ایمان ایسا ہی ہے۔ تو جہاں ان سب باتوں کا مقابلہ کرنا اور ان کو دُور کرنے کی کوشش کرنا ہمارا فرض ہے، وہیں ان کے مقابلہ کے لئے اپنے آپ کو عاجز پاتے ہوئے آستانہ الٰہی پر گر جانا، ہماری فطرت کا تقاضا ہے۔ ہاں۔ رات کی تنہائی میں جب نہ سرف دنیا ہی حالتِ سکون میں ہوتی ہے، بلکہ انسان کی اپنی طبیعت میں بھی سکون کی حالت پائی جاتی ہے، اور جب خدا کی رحمت انسان سے قریب آ جاتی ہے، اس وقت اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی پکار انسان کے دل سے نکلے، تو بے اثر نہیں رہتی! مگر جس طرح ایک قوم کی متحدہ کوشش وہ کچھ کر سکتی ہے، جو اکیلے انسان کی کوشش نہیں کر سکتی، اسی طرح ایک قوم کی متحدہ دُعا میں بھی غیر معمولی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔

اس لئے میری یہ درخواست اپنے جملہ احباب سے ہے۔ کہ رمضان مبارک کے اس آخری عشرہ میں موجودہ مصائب کے دور ہونے

کے لئے ہم سب کے سب خصوصیّت سے دعا میں لگ جائیں۔ اگر ہم جسمانی طور پر اکٹھے ہو کر آستانہ الٰہی پر سر نہیں رکھ سکتے، تو ایک ہی وقت اس آستانہ پر گر کر، اور عملاً ایک ہی آواز میں اس کے فضل اور رحمت کو اور اس کی نصرت اور تائید کو مانگ کر، توجہ الٰہی کے جاذب ہو سکتے ہیں! اس کے لئے میں چاہتا ہوں۔ کہ ہمارے سب احباب، جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دے، پچھلی رات چار اور پانچ بجے کا درمیانی وقت دیں۔ اور سب کے سب نہایت عاجزی سے حضور الٰہی میں یہ دُعا کریں۔ کہ وہ ہماری اور ہماری قوم کی دستگیری فرمائے۔ اور ہماری مردہ قوم کو زندہ کرے۔ اور ان باتوں کو ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے اندر سے دُور کرے، جو قوم کو تباہی کی طرف لے جا رہی ہیں۔ اور ان رستوں پر چلنے کی توفیق اور طاقت دے، جو اس کی فلاح کا موجب ہیں۔ کیونکہ اگر قوم بچ سکتی ہے تو وہ اپنی حالت کو بدل کر ہی بچ سکتی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ۔ (۱۱:۱۳) یعنی ”اس کے لیے اس کے آگے اور پیچھے (اعمال کا) پیچھا کرنے والے ہیں جو اسے اللہ کے حکم سے محفوظ کر لیتے ہیں۔ اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت کو (نہ بدلیں) اور جب اللہ کسی قوم کے لیے تکلیف کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کسی طرح رد نہیں ہو سکتی۔ اور ان کے لیے اس کے سوائے کوئی حمایتی نہیں۔“

وہ ہماری قوم کو یہ توفیق دے۔ کہ وہ قرآنِ کریم کو، جس نے پہلی مرتبہ ایسی زندگی دی تھی، اپنا رہنما بنائیں۔ اور ان پاک جذبات کو اپنے دل میں جگہ دیں، جو رسول پاک نے اپنی قوم میں پیدا کر دئے تھے۔ اور ان میں یہ قوّت پیدا کرے، کہ وہ اپنے مالوں کو اسراف سے اور رسم و رواج کی ریاکاری سے بچا کر خدا کے رستے میں، اس کے رسولؐ کی عزت کی حفاظت میں، اور اپنی قومی بہبود کے کاموں پر خرچ کریں۔ وہ ہماری قوم کی اس ذہنیّت کو بدل دے، کہ ہم نہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مخالفت میں اپنی ساری طاقت صرف کر دیں، اور نہ فروعی اختلاف پر ایک دوسرے کو کافر ٹھہرا کر ان کے دشمن ہو جائیں۔ اور ہم میں وہی اتحاد کی لہر پیدا کر دے، جس نے پہلے سخت ترین اعداء کو ایک دوسرے کے بھائی بنا کر ان کو ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے بچایا تھا۔ ہاں! اور اپنے لئے اور اپنی جماعت کے لئے بھی دعا کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس قابل بنائے، اور ہم سے وہ کام لے، کہ ہم اس کے دین کے خادم کہلا سکیں۔ اور جس غرض کے لئے ہماری جماعت کو کھڑا کیا گیا تھا، وہی ہمیشہ ہمارا اصل نصب العین رہے۔ وہ ہمارے دلوں سے اس بُخل کو دُور کرے، جو خدا کے رستے میں خرچ کرنے سے روکتا ہے۔ کیونکہ اشاعتِ اسلام کا کام، جو ہمارا نصب العین ہے، یہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے مالوں کو خوشدلی سے اُس کے رستے میں خرچ کریں۔ اور اپنے دنیا کے کاموں کو پیچھے رکھ کہ اس کے دین کی ضرورتوں کو مقدّم کریں۔ وہ اپنے رسول کی محبت کا جذبہ ہمارے دلوں میں اس قدر زبردست کر دے کہ ہم صحیح معنوں میں دین کو دنیا پر مقدّم کرنے والے ہوں۔ وہ ہماری خطائوں اور غفلتوں سے درگذر فرما کر اپنے رحم اور فضل کا معاملہ ہمارے ساتھ کرے۔ اور اپنی نصرتوں اور تائیدات سے ہماری جماعت کو خدامِ اسلام کی ایک زبردست جماعت بنا دے۔ ایسے خدام کی جو يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ۔ (۵۴:۵) کے مصداق ہوں۔ یعنی ”وہ ان سے محبت رکھے گا۔ اور وہ اس سے محبت رکھیں گے۔ مومنوں کے سامنے نرم، کافروں کے مقابلہ میں غالب، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔“ اللہ تعالیٰ ہمیں وہ کارکن اور مبلغ عطا فرمائے، جن میں اخلاص اور سچائی اور درد دل ہو۔ اور جو جماعت کے فیصلوں کی عزت اور احترام کرنے والے ہوں۔ وہ ہماری بیویوں اور بچوں کے دلوں میں اپنے رسولؐ کی محبت اور اپنے دین کی خدمت کا جوش پیدا کر کے انہیں ہمارے لئے قُرَّةُ الْعَيْنِ بنائے۔ وہ ہمارے ایمان میں بھی وہ قوّت دے، کہ اس کے سامنے ہم مشکلات کو ہیچ سمجھیں۔ اور وہ ہماری جماعت کو ان تکالیف سے بھی نجات دے، جن میں وہ اس وقت ہے۔

**انفاقِ مال:** دوسری ضرورت ان ایام مجاہدہ کی یہ ہے۔ کہ ہمارے ہاتھ سے کچھ خصوصیّت کے ساتھ اللہ کے رستے میں خرچ ہو جائے۔ کیونکہ دعا بھی وہی قبول ہوتی ہے، جو دردِ دل سے نکلتی ہے۔ اور جب انسان کے اندر ایک کام کے لئے دردِ دل پیدا ہو، تو وہ اس کو کامیاب کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ اور انفاق مال کے بغیر کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوتی۔ پھر انفاقِ مال سے قرب الٰہی بھی ملتا ہے۔ کیونکہ مال کی محبت ہی وہ چیز ہے، جو انسان کو خدا سے دور رکھتی ہے۔ اور جب مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے، تو دنیا کی محبت کی جگہ، خدا کی محبت لے لیتی ہے۔ اور مال خدا کے رستے میں خرچ کرنے سے ایمان بھی مضبوط ہوتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔ (۲۶۵:۲) یعنی ”جو اپنے مالوں کو اللہ کی رضا چاہتے ہوئے اور

اپنے آپ کو مضبوط رکھنے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔" اور اس وقت انفاقِ مال کے لئے ایک سخت دینی ضرورت بھی ہمارے سامنے ہے۔ (فہرست مضامین)

(فہرست مضامین)

# اگر خُدا کی نظر کرم نہ ہو کلامِ گورونانک۔

پوڑی ـــــ ۷

اگر کسی کی عمر چار یگ بلکہ اس سے بھی دس گنا زیادہ ہو جائے۔
اور نو اقلیموں میں ہر جگہ مشہور و معروف ہو جائے۔ اور لوگ اس کی متابعت میں چلیں تمام دنیا میں اس نے شہرت بھی پائی ہو اور ناموری بھی ہو۔
اگر اُس (خدا) کی نظر کرم نہ ہو تو کوئی اس کی بات بھی نہ پوچھے گا۔
لوگ اس کو کیڑوں میں ایک حقیر کیڑے جیسا سمجھیں گے۔
اور جو خود قصوروار ہیں وہ اسے گناہ گار اور قصوروار ٹھہرائیں گے۔

ਜੇ ਜੁਗ ਚਾਰੇ ਆਰਜਾ ਹੋਰ ਦਸੂਣੀ ਹੋਇ ॥
ਨਵਾ ਖੰਡਾ ਵਿਚਿ ਜਾਣੀਐ ਨਾਲਿ ਚਲੈ ਸਭੁ ਕੋਇ ॥
ਚੰਗਾ ਨਾਉ ਰਖਾਇ ਕੈ ਜਸੁ ਕੀਰਤਿ ਜਗਿ ਲੇਇ ॥
ਜੇ ਤਿਸੁ ਨਦਰਿ ਨ ਆਵਈ ਤ ਵਾਤ ਨ ਪੁਛੈ ਕੇ ॥
ਕੀਟਾ ਅੰਦਰਿ ਕੀਟੁ ਕਰਿ ਦੋਸੀ ਦੋਸੁ ਧਰੇ ॥

جے جُگ چارے آرجا
ہور دسُونی ہوئے
نوا کھنڈا وِچ جانیئے
نالِ چلے سبھُ کوئے
چنگا ناؤ رکھائے کے
جس کیرتِ جگِ لیئے
جے تِسُ ندرِ ن آوئی
ت وات ن پُچھے کے
کیٹا اندرِ کیٹُ کرِ
دوسی دوسُ دھرے

(فہرست مضامین)

# نام کی اہمیت ۔ ۲

## حضرت مولانا عبد الحق وِدیا تھی

### پیروانِ مسیح کا نام

سب سے عجیب ترمعمہ پیروانِ مسیح کا نام ہے اول تو ہر مذہب جس نام سے پکارا جاتا ہے تمام ملکوں اور زبانوں میں وہی نام لکھا جاتا ہے ہندو فارسی، انگریزی، اردو وغیرہ زبانوں میں ہندو ہی لکھا جائے گا بدھ ہر زبان میں بدھ ہی رہے گی۔ زرتشتی ہر زبان میں زرتشتی ہی رہے گا سوائے اس کے کہ کسی زبان میں قواعد زبان کی بناء پر ایک دو حرف بدل جائیں مگر پیروانِ مسیح کا نام قریباً ہر ملک میں جداجدا ہے مثلاً کرسچن، کھرسٹی، ٹبرسٹین، مسیحی، عیسائی، یسوعی، جیسوئٹ، نصاریٰ وغیرہ وغیرہ بیسیوں متفرق ناموں سے اپنے آپ کو موسم کرتے ہیں ان کا اصل نام واقعی ایک معمہ ہ۔ جناب مسیح علیہ السلام کا ذاتی نام یسوع تھا اس کے ساتھ کرائسٹ (CHRIST) کا اضافہ ان کے واقعہ صلیب کے عرصہ دراز کے بعد ہوا جناب مسیح کے نام کے متعلق متی کی روایت یوں ہے۔ "تو (یوسف شوہر مریم) اس کا نام یسوع رکھے گا کیونکہ وہ اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے بچات دیگا۔" (متی ۱:۱۲) لوقا کی انجیل میں اس کے خلاف یہ ذکر ہے کہ فرشتہ یوسف (باپ) کے پاس نہیں بلکہ ماں (مریم) کے پاس آیا تھا اور اس نے کہا تھا۔ "اور دیکھ تو حاملہ ہو گی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام یسوع رکھے گی۔" (لوقا ۱:۱۳)

متی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ اپنے ہونے والے بیٹے کا نام یسوع رکھے گا لوقا کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ماں اس نام یسوع رکھے گی۔ بہر حال خدا نے اس کا نام یسوع نہیں رکھا یا رکھنے کا حکم نہیں دیا۔ اختلافِ روایت کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے تو ظاہر ہے کہ حضرت مسیح کا ذاتی اور فرشتہ کا بتایا ہوا نام یسوع تھا اس بنا پر مذہب کا نام یسوعی اور قوم کا نام یسوعین ہونا چاہیئے تھا بخلاف اس کے یہ لوگ کرسچن وغیرہ کئی باتوں سے موسوم ہیں۔ کرائسٹ (CHRIST) حضرت مسیح کی مادری زبان کا لفظ نہیں یہ ایک یونانی زبان کا لفظ کرسٹوس ہے جو کہا جاتا ہے کہ لفظ مسیح کا مترادف ہے۔ یہ امر ظاہر ہے کہ جناب مسیحؑ کے پیروان کی زندگی میں جب کبھی ضرورت پیش آتی ہو گی اپنے استاد کا نام ضرور لیتے ہوں گے لیکن ان کے نام پر کرسچن یا کرسٹسیانوس ہرگز نہ کہلاتے ہوں گے کیونکہ یہ نام ان کی زندگی میں استعمال نہیں ہوا اور نہ وہ عمر بھر کرائسٹ کہلائے ان کا ذاتی نام یشوع تھا اس کا تلفظ عبرانی اور ارامی زبان میں ییشوع یا یوشوعا ہے اس نام کے کئی ایک لوگ جناب مسیحؑ سے پیشتر بھی ہو چکے ہیں چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے مقرر کردہ جرنل یوشع بن نون کو یہی نام عطا کیا گیا تھا اور ان کا یہ نام فاتح کنعان ہونے کی وجہ سے اسم بمسمیٰ تھا یعنی آزادی دلانے والا جس کی دانشمندی اور روحانی قوت دونوں نے مل کر بنی اسرائیل جیسی پست ہمت غلام قوم کو مغلوبیت سے اٹھا کر غالب اور فاتح بنا دیا۔

اسی طرح جناب یسوع کا دوسرا نام مسیح تھا جو غالباً آپ کو اللہ کی طرف سے عطا ہوا مگر حضرت کو عمر بھر یہ نام ظاہر کرنے کی ہمت نہیں پڑی کیونکہ یہود کی مخالفت بے حد تھی اور آپ پر ایمان لانے والے بہت کمزور تھے۔ چنانچہ جب آپ کے شاگردوں میں سے ایک نے بڑی جرأت دکھائی کہ ایک خفیہ محفل میں آپ کے سامنے آپ کو مسیح کہہ دیا تو جناب

مسیحؑ نے اسے خفیہ اور پوشیدہ رکھنے کی تاکید کی (اور یہ واقعہ جناب مسیح کی عمر کے آخری سال کا ہے)

"اور یوں ہوا کہ جب وہ تنہا دعا مانگتا تھا شاگرد اس کے ساتھ تھے اس نے ان سے پوچھا لوگ مجھے کیا کہتے ہیں کہ میں کون ہوں؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ یوحنا بتپسمہ دینے والا اور بعض الیاس اور دوسرے کہ ایک اگلے نبیوں میں سے پھر اٹھا ہے تب اس نے ان سے کہا تم کیا کہتے ہو کہ میں کون ہوں؟ پطرس نے جواب میں کہا کہ خدا کا مسیح اس نے ان سے تاکید کی کہ یہ کسی سے نہ کہو اور کہا ضرور ہے کہ ابن آدم بہت دکھ سہے۔" (لوقا ۸۱:۹ تا ۲۲)

یسوع کو مسیح کہنے والا بھی صرف پطرس تھا جس کے متعلق مسیح نے خود فرمایا دور ہو شیطان تو میرے لئے ٹھوکر پتھر ہے۔ جب خود حضرت مسیح کو مسیح کہتے ہوئے فتنہ اور فساد کا ڈر تھا اور وہ اسے خفیہ رکھنے کی تاکید کرتے تھے تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ شاگردان کی زندگی میں مسیحی کہلاتے چنانچہ آپ کی زندگی میں یہ لوگ ایک دوسرے کو بھائی، مومن منتخب، شاگرد، حواری، دوست، (ABUNIT) غریب لوگ اور ندکئے ہوئے نصاریٰ کہتے تھے اگر نہیں کہلاتے تھے تو کرسچن نہیں کہلاتے تھے اور نہ مسیحی کہلاتے تھے خدا نے مسیح کو یشوع نام دیا تھا اور ماں باپ نے یہی نام رکھا تھا۔ مسیح کہلانے اور مسیح نام رکھنے سے انہوں نے خود تاکیداً منع کر دیا تھا چنانچہ سائیکلوپیڈیا بلیکا میں لکھا ہے:۔

یعنی "انجیل لوقا کی رو سے حضرت مسیح نے کبھی دعویٰ مسیح نہیں کیا (اور نہ شاگردان کو مسیح کے نام سے یاد کرتے تھے) اس وقت بھی انہوں نے اسے خفیہ رکھنے کی تاکید کی اس سے بڑھ کر اسی مصنف کی رو سے کرسچن نام جناب مسیح کی وفات سے عرصہ بعد تک نہیں رکھا گیا۔"

اور یہ امر بھی مسلم ہے کہ کرائسٹ نام اس وقت تجویز ہوا جب عیسائیوں کو مشرکین کے ساتھ خلاملا کا اتفاق ہوا اور قوی احتمال یہ ہے کہ پہلے پہل یہ نام پیروانِ مسیح کا مشرکین کی طرف سے تجویز ہوا۔ کیونکہ یہ نام یہود کی طرف سے تو ہو نہیں سکتا تھا وہ تو آج تک اس کی آمد کے منتظر ہیں۔ وہ واقعہ کتاب اعمال میں یوں درج ہے:۔ "اور ایسا ہوا کہ کامل ایک برس تک کلیسا میں شامل ہوا کرتے اور بہت لوگوں کو سکھایا کرتے تھے اور پہلے انطاکیہ میں ہی شاگرد کرسچین کہلائے۔" (اعمال ۱۱:۶۲)

اناجیل کے مشرقی زبانوں میں ترجمہ میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے "پہلے پہل شاگرد انطاکیہ میں ہی مسیحی کہلائے" کرسچین کہلائے یا مسیحی کہلائے۔ یہ ترجمہ کرنے والوں کی عقلمندی اور علمی قابلیت کا کرشمہ ہے کہ انہوں نے مسیحی کا ترجمہ کرسچین یا کرسچئین کا ترجمہ مسیح کر دیا حالانکہ کسی نام (اسم معرفہ) کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں نہیں کیا جاتا کرسٹیاں (یونانی کرسٹیانوس) اگر اسمِ معرفہ ہے تو اس کا ترجمہ مسیحی کیوں کر ہو گیا؟ اگر اصل نام مسیحی تھا جو مسیح سے منسوب ہے تو اس کا ترجمہ کرسٹیاں کیوں کیا گیا۔ انطاکیہ کا واقعہ ۳۴ سال بعد مسیح کا ہے اگر اسے صحیح بھی سمجھ لیا جائے کہ تو ۰۵۱ء تک تاریخ میں یہ نام کسی مؤرخ نے استعمال نہیں کیا۔ چنانچہ قدیم مؤرخین کلیمنٹ اوف روم، برناس، ہرمس وغیرہ کی تصانیف میں یہ نام بالکل نہیں ملتا۔ اس کے بعد جسٹن مارٹر وغیرہ کی تحریرات میں ملتا ہے انطاکیہ کا فیصلہ اگر اجتماعی فیصلہ تھا تو ڈیڑھ سو برس تک اس پر عمل کیوں نہ ہوا۔ اور مشرقی ممالک کے مسیحی اپنے آپ کو نصاریٰ کیوں لکھتے رہے؟ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسیح نے آخر واقعہ صلیب تک ازروئے اناجیل اپنے دعویٰ مسیحیت کو چھپائے رکھا اور تاکیداً منع کیا کہ یہ خطاب عوام میں ان کے متعلق نہ بولا جائے۔ آپ کے بعد ۳۴ سال تک کسی کو نہ سوجھا کہ مسیح کے ماننے والوں کا کوئی نام بھی ہونا چاہیئے۔ بلکہ اس کے بعد ۰۵۱ء تک کسی مصنف نے اس قوم اور مذہب کو کرسچئین نہیں لکھا۔ انطاکیہ میں پہلے پہل کرسچین نام رکھے جانے کا قیاس محض اس بناء پر ہے کہ اس وقت غیر یہودی جماعت مسیح کے ماننے والوں کی قائم ہوئی تو ان کا کوئی نام ضرور رکھا ہوگا اور وہ نام کرسچین ہی ہو سکتا ہے ظاہر ہے کہ اس قیاس پر یقین کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی اور مشرقی علیہ کا اپنے آپ کو ہمیشہ نصاریٰ لکھنا اس قیاس کو بالکل غلط قرار دیتا ہے۔

ازروئے اناجیل ناصرة یا ناصرہ (NAZARETH) جو علاقہ جلیل (GALILEE) کا شہر ہے اور یوسف و مریم کا اپنا وطن بتایا گیا ہے بتپسمہ پانے سے پہلے آپ وہیں رہتے تھے۔ (متی ۱۳:۴ اور ۱۱:۱۲، مرقس ۹:۱، لوقا ۶۲:۱ او ۴:۲، ۹۳، ۱۵، اور ۶۱:۴، یوحنا ۶:۱ ۴۱، اعمال ۸۳:۰۱)) میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی بناء پر عیسائی نصاریٰ کہلائے۔ عجیب بات یہ ہے کہ صدر عیسائیت کے ۰۰۳ برس تک اس میں کوئی عیسائی نہیں ہوا۔ اور یہ ایک خالص یہودی آبادی رہی۔ مسلمانوں کے ساتھ عیسائیوں کی صلیبی جنگوں کے زمانہ میں مسلمانوں کے خلاف اسے عیسائیوں میں جوش اور غیرت کا آلہ بنایا گیا اور اس کی اہمیت پیدا ہو گئی مگر یہ بات مشکوک ہے کہ آیا یہ وہی شہر ناصرة ہے جو یسوع کا مولد کہلاتا ہے یا وہ اس موجودہ شہر سے جانب جنوب جبل کفسیہ کے دامن میں کوئی اور شہر تھا۔ آیا فی الحقیقت ناصرة کوئی شہر تھا یا اس کا کوئی وجود بھی تھا؟ خود انجیل کے دو حوالے اس کے متعلق شکوک پیدا کرتے ہیں۔ متی ۲: ۳۲ میں ہے کہ:۔ "یوسف یسوع کی ماں کو لے کر جلیل کی اطراف میں روانہ ہوا اور ایک شہر جس کا نام ناصرة تھا جا کے رہا تا کہ وہ جو نبیوں نے کہا تھا پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا۔"

متی کا یہ حوالہ سراسر غلط ہے کسی کتاب میں نبیوں نے نہیں کہا کہ آنے والا نبی ناصری کہلائے گا۔ اس کے متعلق جو حوالہ قاضیوں کی کتاب اور سموئل اول ۱۱:۱ کا دیا گیا ہے اس میں تو یہ ذکر ہے کہ بعض لوگ اپنے بچوں کے لئے نذر مانتے اور اپنے بچوں کے سر پر اُسترا نہیں پھیرتے تھے اور یوحنا ۲:۶۴ میں صرف یہ لکھا ہے کہ:۔ "ناصرة سے کوئی اچھی

چیز نہیں نکل سکتی۔"

یہ ایک اہم اور لاینحل معمہ ہے جناب مسیح کی جائے پیدائش ناصرہ تھی یا بیت اللحم (BETHLEHEM) اگر وہ واقعی ناصرۃ میں پیدا ہوئے تھے تو یہ کہنا کہ ان کا باپ جلیل کے اطراف یا جلیل نامی شہر میں جارہا تاکہ وہ ناصری کہلائے تو بیت اللحم میں پیدا ہونا غلط ہوا۔ اور اگر بیت اللحم میں پیدا ہوئے تھے تو ناصری کہلانے کے لئے ناصرہ میں جا آباد ہوئے غلط ہوگیا کوئی شخص دو مختلف مقامات پر پیدا نہیں ہوسکتا۔

متی ۸۱:۱ تا ۵۲ میں مسیح کی جائے پیدائش کا کوئی ذکر نہیں، مرقس اور یوحنا نے ان کی جائے پیدائش ہمیں بتائی ہے سوائے اس کے کہ ان کا بچپن اور نوعمری ناصرہ میں گذری۔

یہ سوال کہ ناصرہ مسیح کا آبائی وطن کیوں بتایا گیا؟ ایک لاجواب سوال ہے متی کا صرف یہ کہہ دینا کہ یسوع مسیح کے باپ یوسف کا، حاکم سے ڈر کر وہ بچہ کو مار نہ دے ناصرہ میں جا رہنا ناصرہ کو مسیح کا آبائی وطن نہیں بنا دیتا دوسری طرف یہ سوال کہ یوسف اور مریم دونوں ناصرۃ سے سفر کر کے بیت اللحم اس لئے چلے گئے کہ پیدا ہونے والا وہاں پیدا ہوا اور انبیاء کی پیشگوئی پوری ہو کہ وہ بیت اللحم میں پیدا ہوگا یہ بھی غلط ہے کیونکہ لوقا یہ بتاتا ہے کہ وہ مردم شماری میں نام لکھوانے گئے تھے تحقیقات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ مردم شماری یا تو پیدائش مسیح سے آٹھ برس پہلے ہوچکی تھی یا چھ برس بعد ولادت ہوئی تھی تو چھ سال پہلے ہی مردم شماری کی انتظار میں جا بیٹھنا کیونکر ممکن ہے۔

## جناب مسیح ناصری اور جماعت کے نصاریٰ کہلانے کی وجہ

مسیحی تحریرات میں بالعموم حضرت کا نام مبارک یسوع مسیح یا انگریزی میں جیسیس کرائسٹ (JESUS CHARIST) لکھا جاتا ہے گویا یسوع نام کو آپ کے مسیح نام پر تقدم حاصل ہے یعنی یسوع اور جیسیس پہلے مسیح و کرائسٹ بعد میں آتا ہے اور یہ بتایا جاچکا ہے کہ آپ کا نام جو والدین نے رکھا یا فرشتہ نے بتایا۔ وہ صرف یشوع تھا یہی نام مسیحی مذہب کی بناء اور اساس ہے آپ نسب کے اعتبار سے یہودی قوم سے تعلق رکھتے تھے آپ کے والدین مال و دولت اور شہرت کے لحاظ سے غریب تھے عنفوانِ شباب میں آپ اپنے والدین کے گھر میں بخاری (بڑھئی) کا کام کرتے تھے۔ چنانچہ انجیل متی ۴۵:۳۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ اپنے آبائی وطن لا تشریف لے گئے لوگوں نے کہا کیا یہ بخاری کا بیٹا نہیں؟" گویا اپنے شہر میں وہ یوسف بخاری کا بیٹا کہلاتے تھے اور اسی کی تائید لوقا ۲۲:۴ سے ہوتی ہے۔ البتہ مرقس ۳:۶ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔ "کیا یہ مریم کا بیٹا نجار نہیں اور یعقوب، یوسیس اور یہوداہ وشمعون کا بھائی نہیں کیا اس کی بہنیں ہمارے پاس یہاں نہیں ہیں۔"

عجیب بات یہ ہے کہ عبرانی میں برّ نجار ہے یعنی بیٹا نجار جس کے معنی ہیں "نجار یا بڑھئی" اس لحاظ سے یشوع خود نجار تھے۔ عبرانی زبان میں نصر اور نسر دونوں ہم معنی مادے ہیں جلیل کے علاقہ میں ناصرۃ یا ناصرہ ایک شہر تھا ناسرۃ اور نسر بھی لکھتے تھے۔ آرامی زبان میں اس کا تلفظ نیسر اور عبرانی میں ناشر کے معنی لکڑی چیرنا ہیں اور ماشور آرہ کو کہتے ہیں پس یسوع ناصری سے مراد یسوع نجار ہیں۔ جناب مسیح کے ہموطن یہودی بھی تو یہی کہتے تھے کہ ایک بڑھئی محض بڑھئی ہم میں سے ایک "اعمال" کے مؤلف سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہودی لوگ اس نئے مذہب کو بخرنی یا نجاروں کا مذہب کہتے تھے (اعمال ۴۲:۵) قدیم مؤرخ ٹرٹولین نے اس کی تائید کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہودی لوگ دن میں تین مرتبہ نمازوں میں اسی نام پر لعنت بھیجتے تھے۔ (سائیکلوپیڈیا ببلیکا ۳۵۷) اس کے بعد یہ دیکھا گیا کہ وہ جوان ہو کر لوگوں کے معلم بن گئے۔ بہت سے شاگرد بنائے اور وعظ کہنے لگے۔ لیکن عوام میں ان کی مخالف زور پکڑتی گئی یہاں تک کہ شاگرد بھی ان کا نام لینے سے ڈرنے لگے۔ استاد کا نام لینے پر انہیں مارا پیٹا جاتا اور کوڑے لگائے جاتے۔ نہ صرف یہ کہ وہ مسیح نہیں کہلا سکتے بلکہ ان کا ذاتی نام یسوع لینے کی بھی ممانعت تھی۔ یہ نفرت اور مخالفت نہ صرف ان کے عہدہ اور منصب کی تھی بلکہ خود ان کا ذاتی نام لینے کی بھی تھی۔ چنانچہ متی۔ مرقس۔ لوقا۔ یوحنا۔ کتاب اعمال حوارین اور ان کے خطوط سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ جناب مسیح نے اپنا تبلیغی مشن روانہ کرتے وقت فرمایا: "دیکھو میں تمہیں بھیڑوں کی طرح بھیڑیوں کے بیچ بھیجتا ہوں پس تم سانپوں کی طرح ہوشیار اور کبوتروں کی مانند بھولے بنو مگر آدمیوں سے خبردار رہو کہ دے تمہیں کچہریوں میں حوالہ کریں گے اور اپنے عبادت خانوں میں کوڑے ماریں گے اور تم میرے نام سے حاکموں اور بادشاہوں کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے۔" متی ۶۱:۰۱، ۸۱۔ ۴۳:۳۲ اور ۴۲، مرقس ۹:۳۱، ۳۱، لوقا ۲۱:۲۱، یوحنا ۰۲:۵۱ اور ۲:۶۱۔

چنانچہ جناب مسیح کے بعد بھی شاگردوں پر یہی تشدد جاری رہا کہ غریب حواری آپ کے نام پر مسیحی اور کرسچیئن کہلانا تو کجا اپنے استاد کا نام بھی نہیں لے سکتے تھے۔ دیکھو اعمال ۵:۰۴، ۴:۸۱۔ قرنتیوں دوم ۱۱:۴۲ و ۵۲۔ پطرس اول ۴:۶۱ اور مکاشفات ۲:۰۱۔ ۳۱۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ مذکورہ بالا متفقہ حوالہ جات کے خلاف مرقس ۹:۷۳۔ تا ۱۴ کا حوالہ قابل قبول نہیں، یہ کسی ابتدائی زمانہ کے انجیل پڑھنے والے کے حاشیہ کا نوٹ ہے جو متن میں شامل ہوگیا ہے (سائیکلوپیڈیا ببلیکا ص ۳۵۷) فاضل ایڈیٹر مذکور نے اس پر یہ بھی لکھا ہے: "حواریوں کو اس وقت اپنا نام رکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔" (ص ۳۵۷)

پس جناب مسیح کے مذہب کا نام نہ تو نصاریٰ تھا نہ کرسچیئن اور مسیحی، بخرانی جس طرح یہودیوں یعنی مسیح کے دشمنوں کا رکھا ہوا اور حقارت کا نام تھا اسی طرح کرسچیئن بھی مشرکین کا تجویز کردہ نام تھا چنانچہ سائیکلوپیڈیا ببلیکا میں لکھا ہے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ ہندوؤں نے اپنے دشمنوں کا دیا ہوا نام قبول کرلیا تو مسیح کے پیروؤں نے اپنے مخالفوں اور جانی دشمنوں کا رکھا ہوا نام بخوشی منظور کرلیا۔

(فہرست مضامین)